قسط (۱۶)

عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

جناب خورشید احمد فارق
صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی

کافور

کافور کا درخت خوب بڑا ہوتا اور صفصاف سے ملتا جلتا ہے[1] اس کے سایہ میں سو بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ درخت سے کافور اس طرح نکلتا ہے کہ اس کے تنہ کے بالائی حصہ میں سوراخ کر دیا جاتا ہے جس سے کئی گھڑے کافور بہ نکلتا ہے، جب یہاں سے کافور بہنا بند ہو جاتا ہے تو تنہ کے وسط میں سوراخ کر دیا جاتا ہے، وہاں سے کافور کی ڈلیاں نکل پڑتی ہیں۔ یہ درخت کا گوند ہوتی ہیں جو اس کے اندر جم جاتا ہے۔ کافور دینے کے بعد درخت بے کار ہو کر خشک ہو جاتا ہے۔ اور پھر کافور کے لئے دوسرے درخت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ درخت کافور کی لکڑی سفید اور ہلکی ہوتی ہیں۔

زکریا قزوینی (تیرہویں صدی کا ربع ثالث):-

لونگ

اس کا پودا ہندوستان کے ایک جزیرہ میں اگتا ہے اس کا پھل جوہی کے پھول کی طرح ہوتا ہے

---

[1] انگریزی میں اس کا نام دلو (WILLOW) ہے اس کی لکڑی نرم ہوتی ہے اور خاص طور پر کھیل کا سامان بنانے کے کام آتی ہے۔

لیکن خوب سیاہ، باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ اس جزیرہ کے لوگ لونگ کو آگ میں پکا کر باہر جانے دیتے ہیں تاکہ کسی دوسری جگہ لونگ نہ اگائی جاسکے۔

کافور

یہ ایک بڑا ہندوستانی درخت ہے جس پر گدھ بسیرا لیتے ہیں، یہ اتنا گھنا ہوتا ہے کہ اس کے سایہ میں بہت سے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ سال کے ایک خاص وقت ہی کافور کے طالب اس جگہ جاتے ہیں جہاں یہ درخت اگتا ہے، یہ ساحل سمندر پر واقع ہونے والے پہاڑوں کے دامن میں پایا جاتا ہے اس کی لکڑی سفید ملکی اور بآسانی ٹوٹنے والی ہوتی ہے۔ اس کا گوند کافور کہلاتا ہے اور درخت کے زیریں حصہ سے بہتا ہے۔ محمد بن زکریا (رازی طبیب) کافور اس درخت کا گوند تو ہوتا ہے لیکن وہ درخت کے اندر پایا جاتا ہے، درخت کے بالائی حصہ میں سوراخ کر دیا جاتا ہے تو گرمی کے وقت اس سے کافور بہہ نکلتا ہے۔ سوراخ سے ذرا نیچے ایک دوسرا سوراخ کیا جاتا ہے تو اس سے کافور کی ڈلیاں خارج ہوتی ہیں۔

ابن خُرداذبہ[1] (نویں صدی کا ربع ثانی)

سیاہ مرچ

کیولان (کولم Quilon) میں سیاہ مرچ اور بانس پیدا ہوتا ہے۔ باخبر سمندری مسافروں کا بیان ہے کہ سیاہ مرچ کے ہر خوشہ پر ایک تپہ ہوتا ہے جو اسے بارش سے محفوظ رکھتا ہے اور جب بارش ختم ہو جاتی ہے تو تپہ خوشہ کے اوپر سے ہٹ جاتا ہے اور جب پانی برستا ہے تو پھر خوشہ کو ڈھک لیتا ہے۔

---

[1] المسالک والممالک ص۶۳-۶۲

ذکریا قزوینی[1] —

سیاہ مرچ کا درخت ہندوستان کے ملاّبار (ملیبار) نامی علاقے میں اگتا ہے یہ اونچا ہوتا ہے اور اس کے نیچے پانی رہتا ہے، جب ہوا چلتی ہے تو سیاہ مرچ پانی کی سطح پر آگرتی ہے، اس کو جمع کرلیا جاتا ہے..... یہ ایک آزاد درخت ہے اور اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اس میں پھل سردی اور گرمی کے موسم میں آتا ہے۔ سیاہ مرچ کے خوشے ہوتے ہیں جب دھوپ تیز ہوتی ہے تو ہر خوشے کو درخت کے پتے ڈھک لیتے ہیں تاکہ پھل جل نہ جائے، دھوپ کے ہٹتے ہی پتے بھی ہٹ جاتے ہیں تاکہ انکو ہوا لگ سکے۔ اس درخت کو دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ وہ انار کے درخت سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے دو پتوں کے درمیان سیاہ مرچوں کے دو خوشے ہوتے ہیں اور ہر خوشے کی لمبائی ایک انگلی کے بقدر ہوتی ہے....

تیزپات (ساذج)[2]

ایک پودا ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔ باخبر لوگوں کا بیان ہے کہ گرمیوں میں جب تالابوں کا پانی خشک ہوجاتا ہے تو لوگ وہاں لکڑی جلاتے ہیں جس کے زیر اثر ساذج پیدا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ساذج نہیں اگتا۔ اس کے پتے اور شاخیں شاہ سفرم[3] کی طرح ہوتی ہیں اس کے سفید پھول پانی میں نکلتے ہیں، اس کی جڑ نہیں ہوتی۔ ابن سینا لکھتا ہے کہ ساذج کو کپڑوں میں رکھنے سے کیڑا (سُوس) نہیں لگتا، اس کو زبان کے نیچے رکھ لیا جائے تو منھ خوشبودار ہوجاتا ہے۔ دوسرے اطبا کی رائے ہے کہ درد دل میں مفید ہے اور بغل کی بو دور کرتا ہے۔

---

[1] عجائب المخلوقات ص ۲۶، ۶۲ و ۵۱ [2] سنسکرت میں اس کا نام تمال پترا Tamalpatra ہے اور بازار میں تیزپات کے نام سے مشہور ہے۔ ہردیو الاصح [3] ریحان کوچک برگ۔ برہان قاطع

بس (بیش)

ایک پودا جو ہندوستان میں اگتا ہے، اسے اگر نصف درہم (چار یا پانچ ماشے) کے بقدر کھا لیا جائے تو وہ زہر قاتل ثابت ہوتا ہے۔ اگر کسی کو اس کا شربت پلا دیا جائے تو اس کی آنکھیں باہر نکل پڑتی ہیں، ہونٹ اور زبان سوج جاتے ہیں، سر چکرانے لگتا ہے اور غشی طاری ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ جب کسی دشمن راجہ کو دھوکہ سے مارنا چاہتے ہیں تو ایک لڑکی کو بچپن سے بس کی عادت ڈلوا دیتے ہیں، کافی عرصے تک اس کے پالنے، اس کے بستر اور کپڑوں میں بس رکھا جاتا ہے، اس طرح آہستہ آہستہ لڑکی بس کی عادی ہو جاتی ہے اور جب اس کو بس کھانے سے کوئی گزند نہیں پہنچتا تو اس کی ٹریننگ پوری سمجھی جاتی ہے۔ ایسی لڑکی کو تحفے تحائف کے ساتھ اس راجہ کے پاس بھیج دیتے ہیں جس کو دھوکہ سے مارنا مقصود ہوتا ہے۔ راجہ لڑکی سے ہم بستر ہونے کے بعد مر جاتا ہے۔ زہر بیچنے والا بس چباتا ہے تو اس کو کوئی نقصان ہوتا، ورنہ بس کے جوہر (فارۃ البیش) کو کوئی ضرر پہنچتا ہے جو اس پودے کی جڑ میں رہتا ہے اور اسے کھاتا بھی ہے۔

نویری[۲] (چودھویں صدی کا ربع ثانی):

عُود (اگر)

محمد[۲] بن احمد تمیمی نے اپنے دادا کی سند پر جس نے باخبر لوگوں سے عود کے حالات معلوم کئے تھے، بیان کیا کہ عود کے بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں جو ہندوستان کے کئی مخصوص علاقوں میں پائے جاتے ہیں

---

[۱] نہایۃ الارب ۱۲/۵-۲۳ [۲] دسویں صدی میں بیت المقدس کا ایک طبیب اور محقق دوبہ مشک، عنبر، صندل اور عود سے متعلق نویری اور قلقشندی کی بیشتر معلومات اس کی کتاب حبیب العروس و ریحان النفوس سے ماخوذ ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے ربع ثالث میں لکھی گئی تھی۔ تاریخ الحکماء ابن ابی اصیبعۃ ۲/۸۷۔

عود کی کچھ قسمیں اندرونی کشمیر[1]، لنکا، کمبوڈیا (قمار) اور مختلف ملکوں سے بھی برآمد کی جاتی ہیں۔ باخبر لوگوں کی رائے ہے کہ عود میں اس وقت خوشبو پیدا ہوتی ہے جب اس کی لکڑی پرانی ہو جاتی ہے اور اس کو کاٹ کر اس کا چھلکا اتار لیا جاتا ہے، کاٹنے اور چھلکا چھڑانے کے بعد ہی اس کو فروخت کے لئے منڈیوں میں بھیجا جاتا ہے مجھے بعض لوگوں نے بتایا کہ عود درخت کے مرکزی حصہ سے نکالا جاتا ہے، درخت کی ساری لکڑی عود نہیں ہوتی۔ آبنوس، عناب، زیتون اور دوسرے درختوں کی طرح جن کے مرکزی حصوں میں روغن ہوتا ہے، عود لکڑی بھی قلب درخت سے نکالی جاتی ہے۔ درخت عود کی بیرونی لکڑی سفید ہوتی ہے اور اس میں روغن نہیں ہوتا، بعض اوقات عود کی لکڑی میں دھاریاں اور کالے نشان بھی پائے جاتے ہیں۔ درخت عود کی لکڑی کاٹ لی جاتی ہے اور اس کی سفید چھال الگ کر کے لکڑی کو مٹی میں دبا دیا جاتا ہے برسوں مٹی میں رہنے کے بعد لکڑی کا بالائی حصہ گل جاتا ہے اور اندرونی حصہ محفوظ رہتا ہے اس پر مٹی کا اثر نہیں ہوتا (ایک دوسرے محقق) محمد بن عباس نے بھی عود کے بارے میں اسی طرح کی رائے دی ہے۔ محمد بن عباس نے مزید کہا: (ڈیلٹائے فرات کے مشہور بندرگاہ) ابلہ کے باخبر اشخاص نے مجھے بتایا کہ خود ہندوستان کے درخت دشوار گذار اور اونچے پہاڑوں کی وادیوں میں ہوتے ہیں، نقل وحرکت کی دشواری کے باعث وہاں انسان کا گذر نہیں ہوتا، پرانے ہو کر کچھ درخت ٹوٹ جاتے ہیں یا کثرت باراں اور سیلاب سے انکی جڑیں سڑ جاتی ہیں اور مٹی، پانی اور ہوا کے زیر اثر ان کی لکڑی گل جاتی ہے اور صرف لکڑی کا مرکزی حصہ محفوظ رہ جاتا ہے جب زوردار بارش ہوتی ہے تو سیلاب کا دھارا عود لکڑی کو ان پہاڑی وادیوں سے سمندر میں بہا لاتا ہے اور وہاں سے موجیں اسے ساحل پر لا پھینکتی ہیں، پھر لوگ اس کو جمع کر لیتے ہیں اور بیچنے کے لئے مختلف ملکوں کو لے جاتے ہیں۔

ایک تاجر نے جو ہندوستان کے کئی سفر کر چکا تھا بیان کیا: نہ تو میں نے خود عود کا درخت دیکھا ہے اور نہ کسی ایسے شخص سے جو اس کے بارے میں واقف ہو۔ جب لوگوں نے پوچھا: عود ہندوستان سے آتا ہے اور تم

---

[1] لاہور کے مغرب کا پہاڑی علاقہ مراد ہے۔

اس ملک کے کئی سفر کر چکے ہو پھر تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے عود کا درخت نہیں دیکھا تو وہ تاجر بولا اس لئے کہ جب بیوپاری عود لکڑی اپنی کشتیوں میں لاد کر ہندوستانی بندرگاہوں کو لاتے ہیں تو اپنی کشتیاں ساحل سے اتنے فاصلے پر روک لیتے ہیں جہاں سے اہل ساحل کو ان کی کشتیاں تو نظر آجاتی ہیں لیکن وہ خود نظر نہیں آتے، ان کشتیوں کو دیکھ کر مقامی تاجر رات ہوتے ہی بندرگاہ چھوڑ کر روپوش ہو جاتے ہیں کشتی والے آتے ہیں اور اپنا تمام سامان بندرگاہ پر اتار دیتے ہیں ہر بیوپاری اپنا سامان الگ رکھ دیتا ہے، اس کے بعد یہ لوگ اس جگہ لوٹ جاتے ہیں جہاں پہلے اپنی کشتیاں روکی تھیں، صبح کو (روپوش، مقامی) تاجر بندرگاہ لوٹ آتے ہیں اور سامان کے ہر ڈھیر کے پاس اس کی ہم قیمت کچھ سامان رکھ دیتے ہیں اور پھر روپوش ہو جاتے ہیں۔ کشتیوں کے بیوپاری آتے ہیں اور اپنے سامان کے بدلے میں ملنے والے معاوضہ کا جائزہ لیتے ہیں جو بیوپاری معاوضہ سے مطمئن ہو جاتا ہے وہ اسے اٹھا لیتا ہے اور اپنا سامان چھوڑ دیتا ہے اور جو مطمئن نہیں ہوتا وہ معاوضہ اور سامان جوں کا توں چھوڑ دیتا ہے، بندرگاہ کے تاجر صبح کو شہر سے آکر ان بیوپاریوں کا سامان دیکھتے ہیں، اگر سامان کے پاس اس کا معاوضہ نہیں ہوتا تو سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا مالک پیش کردہ بدلہ سے مطمئن تھا اور اسے اٹھا لے گیا ہے اور اگر سامان کے پاس اس کا عوض رکھا ہوتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک عوض سے مطمئن نہیں ہے، اندریں صورت اس کو اتنی قیمت بڑھانی پڑتی ہے کہ مالک مطمئن ہو جائے۔ عود لانے والے بیوپاریوں سے تجارت اس ڈھنگ سے ہوتی ہے، کسی تاجر نے ان کو نہیں دیکھا ہے، البتہ کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے وہ ان بیوپاریوں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے، اس نے دیکھا کہ ان کے چہرے کتوں کے سے (کالے اور سنے ہوئے) ہیں اور باقی جسم انسانوں کا سا ہے۔

عود کی بہت سی قسمیں ہیں، سب سے اعلیٰ، عمدہ اور نفیس مندلی عود ہوتا ہے اور اسی عود کو عود ہندی کہتے ہیں۔ مندلی، مندل کی طرف نسبت ہے جہاں عود پیدا ہوتا ہے، مندلی یعنی عود ہندی ہندوستان کے تین علاقوں سے دستیاب ہوتا ہے۔ ان سب میں بہتر

قامرونی (قامرولی)[1] عود ہوتا ہے جو قامروپ (قامرون) سے لایا جاتا ہے۔ قامروپ (قامرون) ہندوستان کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قامرونی (قامرنی) عود قامروپ نامی درخت کی طرف منسوب ہے۔ یہ عود ہر دوسرے عود سے مہنگا ہوتا ہے ۔۔۔ اور مرتبہ میں عود کے سارے اصناف سے اعلیٰ اور ارفع سمجھا جاتا ہے اور ہر وقت دستیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ خوب تر، ٹھوس، بھاری اور گہرا سیاہ ہوتا ہے۔ ابوزید حسن[2] سیرافی نے اپنی کتاب اخبار الہند میں لکھا ہے: ملتان جو منصورہ[3] کے قریب واقع ہے کی مشہور مورتی کی زیارت کے لئے ہندو تین ماہ کی مسافت سے اپنی پیٹھ پر بہترین قسم کا ہندی اور قامرونی (قامرولی) عود لاد کر چلتا ہے۔ قامروپ (قامرون) وہ سرزمین جہاں اعلیٰ قسم کا عود ہوتا ہے تین ماہ تک ڈھونے کی مشقت اٹھانے کے بعد وہ ہندو عود کا بوجھ ملتان کی مورتی کے پاس لاتا ہے اور مورتی کے حضور سلگانے کے لئے مندر کے پروہتوں کے حوالے کر دیتا ہے اس عود کے ایک پونڈ (من) کی قیمت ایک ہزار دو سو دینار اکنٹی ہے۔ یہ اتنا نرم ہوتا ہے کہ اگر اس پر مہر لگائی جائے تو اس پر مہر کا نقش ابھر آتا ہے۔ سوداگر تاجر قامرونی (قامرولی) عود مورتی کے پروہتوں سے خرید لیتے ہیں۔

دوسری قسم کا عود سمندری (سمندوری) کہلاتا ہے۔ وہ یہ سمندر[4] (سمندور) سے آتا ہے جو زیریں ہندوستان (سفالۃ الہند) کا ایک شہر ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، ان میں سب سے

---

[1] قامرونی بالنون قامرولی باللام کی تصحیف ہے اور قامروپ، کامروپ کی تعریب۔ قدیم زمانہ میں آسام کا نام کامروپ تھا۔

[2] متن میں حسن بن یزید سیرافی قلمبند ہوا ہے۔ غالباً کاتب کا سہو ہے۔

[3] پایۂ تخت سندھ، حیدرآباد سے قریب پچاس میل شمال مشرق میں۔ نویری کا یہ قول صحیح نہیں کہ ملتان منصورہ کے قریب واقع ہے، ان دونوں کے درمیان پانچ سو میل سے زائد مسافت تھی۔

[4] عہد قدیم میں اڑیسہ کی چلکا جھیل کو سمندر کہتے تھے، سمندری عود اسی جھیل کے ملحقہ جنگلوں سے بیرونی ملکوں کو بھیجا جاتا تھا۔ دیکھو کننگھم ص ۵۸۵۔

عمدہ عود قماری [illegible] ہوتا ہے، یہ خوشبو [illegible] زیادہ [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] زیادہ دیر [illegible] رہتا ہے۔ بعض لوگ [illegible] سیاہ عود کو نیلے پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض سفید کو سیاہ پر، اس عود کا ایک ٹکڑا بقدر پونڈ (من) [illegible] وزنی ہوتا ہے اور عمدہ خوشبو کے باعث اس کا نام ریحان العود پڑ گیا ہے۔ مندری عود کے بعد صنبوری [illegible] قماری [illegible] صنبوری یا قمار [illegible] ایا جاتا ہے جو ندیا زمین ہندوستان (سفالۃ الہند) کی [illegible] ہے، اس کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ سیاہ اور نیلا ہوتا ہے، یہ خوب سخت اور تر ہوتا ہے [illegible] سفید [illegible] بالکل نہیں ہوتی، جلنا بھی کم ہے، اس کا ایک ٹکڑا نصف پونڈ (من) یا اس سے کچھ کم وزنی ہوتا ہے۔

عود مندری [illegible] علاوہ [illegible] واضح [illegible] صلابت ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے عود میں نہیں ہوتی۔ محمد [illegible] مشکی نے اپنی کتاب میں عود ہند کی تعیینت اور خلفا کے محلوں میں اس کے استعمال [illegible] بیان کئے ہیں، لکھتا ہے: عود ہند سب سے اعلیٰ قسم کا عود ہے اور ہر عود سے کم جلتا ہے اور اس کی مہک ہر عود سے زیادہ کپڑوں میں برقرار رہتی ہے، اسلام سے پہلے اور اس کے بعد بھی عہد اُموی کے آخر (۱۳۲ھ / ۷۴۹ء) تک تاجر عراق و شام کے ملوک [illegible] عود ہندی برآمد نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو اس کے برآمد کرنے سے کوئی دلچسپی تھی، [illegible] خوشبو میں تیکھاپن (مرارہ) پایا جاتا تھا۔ [illegible] کسریٰ و شاہ مندری، صنبوری (قماری)، سمندری اور دیٹنامی (صنفی) عود استعمال کرتے تھے [illegible] قماری کے عود کی مہک بہت میٹھی ہوتی تھی لیکن اس مٹھاس سے کپڑوں میں کھٹمل پیدا ہو جاتے تھے، عراق

[illegible] (KHMER) کی تعریب ہے [illegible]...... KHMER کا علاقہ پرانے زمانہ میں کمبوڈیا اور تھائی لینڈ پر ہوتا تھا اور یہ دونوں علاقے جیسا کہ معلوم ہے ہندوستان سے بہت دور واقع ہیں۔

۲ مندلی منسوب بہ منڈل، منڈل سے ساحل کورومنڈل کوسٹ (تامل ناڈو) مراد ہے۔

وشام کے ملکوں میں لوگ عود ہندی سے واقف تھے اور اس کی خوشبو سے باخبر ہونے کے باوجود تاجر اسے درآمد نہیں کرتے تھے۔ عہد اموی کے آخری زمانے میں جب اموی حکمرانوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑا بڑھا اور ان کے پاس روپیہ کا توڑا ہو گیا تو انھوں نے رعایا کی دولت پر دست درازی شروع کر دی اور ناجائز طریقوں سے روپیہ حاصل کرنے لگے اور اوقاف نیز یتیموں کے املاک پر ہاتھ ڈالنے لگے۔ چنانچہ خراسان کے اموی گورنروں نے برمک اور اس کے لڑکوں سے روپیہ طلب کیا۔ برمک کے تصرف میں وقف کردہ بہت سی دولت اور جائداد تھی (اموی گورنروں کے مطالبوں سے تنگ آکر) برمک اور اس کے لڑکے خراسان سے ہندوستان بھاگ آئے اور وہاں عباسی حکومت کے قیام تک ٹھہرے رہے۔ حسین بن برمک نے دیکھا کہ خوشبو کی لطافت کے باوجود عود ہندی کی (مسلمان) تاجروں میں مانگ نہیں ہے، خود اس کو یہ عود بہت پسند آیا اور اس نے بڑی مقدار میں اسے خرید لیا۔ اس کے بعد خالد بن برمک اور اس کا بھائی حسین اور ان کے متعلقین ابوجعفر منصور کے خلیفہ ہونے کے بعد اس سے ملنے گئے منصور نے ان کو اپنا مقرب اور مشیر بنا لیا۔ ایک دن حسین برمکی منصور سے ملنے آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کے پاس کمبوڈی (قماری) عود سلگ رہا ہے۔ اس نے خلیفہ سے کہا کہ میرے پاس کمبوڈی عود سے زیادہ لطیف اور خوشبودار عود ہے جو میں ہندوستان سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ منصور کی فرمائش پر حسین عود ہندی لے کر آیا۔ منصور نے اسے پسند کیا اور حکم دیا کہ ہند (یعنی سندھ) میں اس کے گورنر کو لکھا جائے کہ بڑی مقدار میں عود ہندی بھیجے۔ عود ہندی کی مہک کی تیزی اور حدت (حرارت) برداشت کر لی گئی کیوں کہ اس سے کھٹمل مرجاتے تھے اور کپڑوں میں (کبھی) پیدا نہیں ہوتے تھے، مزید برآں کپڑوں میں اس کی مہک زیادہ دیرپا ہوتی تھی۔ جب خلفا اور سلاطین نے عود ہندی کو پسند کر لیا اور اپنے محلوں میں اسے سلگانے لگے تو عود کے دوسرے اقسام کا مرتبہ گر گیا اور عود ہندی کی

---

[1] برمک بلخ (مشرقی خراسان) کے مشہور بدھ وہار کا متولی تھا۔ برمک، پرمکھ کی تعریب ہے۔ پرمکھ سنسکرت میں ناظم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔

قدر و منزلت بڑھ گئی۔

ہندو حاکم اور مسلمان

مسعودی[1] (دسویں صدی کا ربع ثانی):

چیول[2]

میں ۳۰۴ھ میں سرزمین گجرات (لار) کے شہر چیول (صیمور) آیا جو بلہرا کی قلمرو میں داخل ہے۔ اس وقت چیول کا حاکم جانج[3] تھا۔ شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی بستی تھی جو بیاسرہ[4] سیراف، عمان، بصرہ، بغداد اور بہت سے دوسرے ملکوں کے ان لوگوں پر مشتمل تھی جنھوں نے چیول (صیمور) میں شادی بیاہ کر کے وہاں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ ان میں خاصی تعداد ممتاز تاجروں کی تھی جن میں موسیٰ بن اسحاق صندابوری کا نام قابل ذکر ہے۔ اس میں ہنرمن کے منصب پر ابوسعید معروف بہ زکریا فائز تھا۔ ہنرمن مسلمانوں کے مقدم یا سربراہ کو کہتے ہیں، ہندو حاکم کسی معزز اور وجیہ مسلمان کو ان کے ہم مذہبوں کا ناظم امور مقرر کر دیتا ہے جس کے ذمہ ان کے معاملات کی نگرانی ہوتی ہے۔

۱؎ مروج الذہب، ۲/ ۸۵-۸۶ ۲؎ بمبئی سے تیئس میل جنوب میں واقع تھا اور آج بھی موجود ہے۔ ہودیوالا ص ۶۶

۳؎ جھنجھا کی تصحیف ہے جو شمالی کونکن کا راشٹرکوٹا حاکم تھا۔ ہودیوالا ص ۲۱

۴؎ ہندوستانی نژاد ایک مسلمان قوم جس سے اسلامی جہازوں پر سمندری دشمن سے لڑنے کے لئے فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ تاج العروس

ادریسی (بارہویں صدی کا ربع ثالث):

پاٹن[2] (نہرواره)

..... یہاں بغرض تجارت بہت سے مسلمان تاجر آتے ہیں، شہر کا حاکم مسلمانوں کی عزت کرتا ہے اور ان کے مال و متاع کا محافظ ہے، یہاں کے حاکموں کو اپنے علاقے میں عدل و انصاف قائم رکھنے سے فطری لگاؤ ہے، کسی کام سے ان کو اتنی دلچسپی نہیں جتنی عدل وانصاف سے ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ان کے انصاف، پابندی عہد اور حسن سیرت کی بدولت ان کی ساری رعایا امن و عافیت سے بہرہ ور ہے ...

یاقوت[3] (تیرہویں صدی کا ربع اوّل):

چول اور تھانہ

چول (صیمور) اور تھانہ (تانہ) ان شہروں میں سے ہیں جہاں مسلمانوں کی بستیاں ہیں، ان کے معاملات اور مفادات کی نگرانی مسلمان کرتے ہیں جن کو راجہ بلھرا مقرر کرتا ہے چول (صیمور) میں ایک جامع مسجد ہے جہاں باجماعت نماز ہوتی ہے۔

بزرگ بن شہریار[4] (دسویں صدی کا ربع ثالث):

محمد بن بابشاد کپتان کی سرکاری تصویر

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے ایک راجہ نے محمد بن بابشاد کی تصویر بنوائی اور اس کو

---

[1] نزہت المشتاق قلمی ۱/۱۲۴ [2] رن کچھ کے بالمقابل مشرق میں اور بمبئی سے دو سو میل شمال میں

[3] معجم البلدان ۵/۴۰۷ [4] عجائب الہند ص ۹۵

اپنے محل میں جگہ دی) محمد بن بابشاد ایک بڑا بحری کپتان تھا اور سمندری حلقوں میں اسے بڑی شہرت اور عزت حاصل تھی۔ ہندوستانی راجاؤں کا دستور ہے کہ وہ بڑے اور عظیم لوگوں کی تصویریں بنواتے ہیں (اور انہیں محلوں میں آویزاں کرتے ہیں)۔

مجھ سے شاہان (بن) حمویہ نے جو دودے کے نام سے مشہور ہے ۳۵۰ھ ۹۶۱ء میں بیان کیا: احمد بن مروان تاجر نے مجھے اپنے تجارتی جہاز کا کپتان بنا کر (ملایا کے مشہور مغربی بندرگاہ) کلہ روانہ کیا۔ (سمندری طوفان یا بحری ڈاکوؤں کی زد میں آکر) اہل جہاز کو (سماترہ کے جنوبی بندرگاہ) پنچور (قیصور) جانا پڑا۔ (جنوب مشرقی سماترا کی حکومت) سری وجایا (SRIVIJĀYA) (سربزہ)[1] کے مہاراجہ سے کسی معاملہ میں جو مجھے یاد نہیں رہا، میرے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے، اس کو میرے پنچور (قیصور) پہنچنے کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے سفیر میرے پاس بھیجے اور مع جہازوں کے سری وجایا (سربزہ) بلالیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے اپنے تجارتی سامان میں سے بہت سی عمدہ چیزیں مہاراجہ کی خدمت میں پیش کیں اور اس کے وزیروں اور مقربوں کو بھی تحفے

---

[1] ساری عرب تحریروں میں اسی طرح قلمبند ہوا ہے۔ لیکن یہ سربزہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور سربزہ سری وجایا (SRIVIJĀYA) کی تعریب۔ سری وجایا ایک بدھ سلطنت تھی جسے جنوبی ہند کے مہاجر ہندوؤں نے اسلام سے بہت پہلے قائم کیا تھا اور جس نے ساتویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک سماترا، جاوا، ملایا اور ملحقہ جزیروں پر شاندار حکومت کی تھی، عربوں کا مہراج اسی سلطنت کے راجاؤں کا لقب تھا۔ عام طور پر عرب سربزہ (سربزہ) کا اطلاق سری وجایا سلطنت کے پایۂ تخت (PALMBAiG) پر کرتے ہیں جو جنوب مشرقی سماترا میں ایک خلیج پر واقع تھا، یہاں سربزہ سے یہی شہر مراد ہے۔ دیکھو جنوب مشرقی ایشیا از ہیریسن ص ۲۱-۹

دیئے، اس طرح سے اس کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا اور اس نے میری توقیر و تکریم کی۔ میں ہمیشہ دوپہر کے کھانے نیز خلوت میں پینے پلانے کے وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔[1] پانچ یا چھ ماہ کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ سری وجایا (سریرہ) کا مہاراج اہل جاوا (زنج) سے لڑنے کے لئے نکلا۔ اس ملک ہندوستان کے راجاؤں کی رسم ہے کہ جب وہ کسی دوسرے حملہ آور راجہ سے لڑنے جاتے ہیں تو وہ تمام سامان جس کا لے جانا ممکن ہوتا ہے اپنے ساتھ لے لیتے ہیں اور بھاری سامان کو آگ لگا کر جلا دیتے ہیں تاکہ وہ پوری تن دہی سے جنگ میں شرکت کر سکیں تاکہ ان کا مقصد وحید پیش قدمی رہے اور پیچھے ہٹنے کا خیال تک دل میں نہ آئے اور عقب کی کسی چیز کی یاد ان کو نہ ستائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہار جائیں تو اس صورت میں ان کا دشمن ان کے محل کی دولت، ہتھیار اور ساز و سامان پر قابض ہو کر (مزید) طاقت ور نہ بن سکے۔ مہاراجہ سری وجایا (سریرہ) نے جب راجہ جاوا (زانج) سے لڑنے کا ارادہ مصمم کر لیا تو جتنا سامان لے جانا ممکن تھا وہ سب ساتھ لے لیا اور شاہی خزانوں اور توشہ خانوں کی باقی مال و متاع جلا دینے کا حکم دے دیا۔ مہاراجہ کے وزیر نے جو میرا بڑا خیال کرتا تھا اور بے حد قدر دان تھا اس سے کہا: مہاراج یہ سامان جلا کر تلف نہ کیجئے، شاہان بزرگ کو دے دیجئے۔ راجہ: خزانہ میں جو کچھ ہے تم سب لے سکتے ہو میں تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ شاہان نے بتایا کہ میں نے اپنے جہاز کا کل وزن مختلف اقسام کے سامان سے پورا کر لیا۔ اس نے جو چیزیں جہاز میں لادیں ان میں مہاراج کے توشہ خانوں سے لیا ہوا تین ہزار پونڈ (من) کافور بھی تھا۔ شاہان نے مہاراج کے خزانوں سے لئے ہوئے مال و متاع کی جو قیمت مجھے بتائی وہ اتنی زیادہ ہے کہ مجھے اس کا ذکر کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ یہ سامان لے کر شاہان ۳۳۰ھ (۹۴۱ء) میں سری وجایا (SRIVIJAYA) (سریرہ) سے عمان روانہ ہو گیا۔[2]

---

[1] اس کے بعد متن میں یہ جملہ ہے: وتشوقت بہا معی۔ اس کا مطلب واضح نہیں ہوا اس لئے اسکا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ [2] مسالک ابن رستہ قلمی ۲/ ۵۰ - ۴۹

سیراف کے ایک تاجر نے مجھ سے بیان کیا کہ چول (صیمور[1]) میں عباس بن ماہان نامی سیراف کا ایک شخص رہتا تھا، وہاں چول میں مسلمانوں کا مقدم (ہُنَرمَن) تھا اور شہر کا نہایت با اثر اور وجیہہ آدمی جس سے مسلمان اپنے معاملات میں رجوع کیا کرتے تھے۔ ایک (مسلمان) جہازی نوکر جو بدکردار آدمی تھا چول (صیمور) آیا، اس نے وہاں کے (کسی مندر میں) مورتی دیکھی جو ایک حسین لڑکی کی شبیہہ تھی، پجاریوں کی نظر بچا کر وہ اس مورتی کے پاس گیا اور اس کی رانوں کے درمیان انزال کر دیا۔ عین اسی وقت مندر کے ایک پجاری کا ادھر سے گذر ہوا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور الٹے پیروں وہاں سے چلا گیا۔ مندر کے ناظم کو اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ مورتی کے پاس آیا اور اس نے اس کی رانوں کے درمیان منی دیکھی، اس نے ... جہازی نوکر کو پکڑ لیا اور فوراً چول (صیمور) کے حاکم سے شکایت کی اور سارا ماجرا کہہ سنایا، جہازی نوکر نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔ حاکم نے (اپنے مشیروں) سے پوچھا کہ انکی رائے میں قصوروار کو کیا سزا دی جائے، انھوں نے کہا کہ اس کو ہاتھیوں کے پیروں سے روندوا دیا جائے۔ ایک دوسرے نے رائے دی کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہیئے، حاکم بولا: ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ عرب ہے اور عربوں سے ہمارا معاہدہ ہے۔ آپ میں سے ایک شخص مسلمانوں کے ناظم امور (ہُنَرمَن) عباس بن ماہان کے پاس جائے اور ان سے پوچھے کہ ایسے مسلمان قصوروار کو کیا سزا ملنی چاہیئے جو آپکی مسجد میں عورت کے ساتھ مصروف دیکھا جائے۔ عباس ایسے مجرم کو جو سزا تجویز کریں وہی اس جہازی نوکر کو دی جائے۔ حاکم کا ایک وزیر عباس کے پاس گیا اور اس سے مشورہ کیا۔ عباس ہندوؤں کی نظر میں اسلام کی عزت وعظمت بڑھانا چاہتا تھا اس لئے اس نے کہا: اگر ہم مسجد میں کسی مرد کو عورت کے ساتھ مصروف دیکھیں تو اسے قتل کر دیں گے۔ اس رائے کے بموجب اس جہازی نوکر کو موت کی سزا دی گئی[2]

---

[1] بمبئی سے تیئیس ۲۳ میل جنوب میں۔

[2] عجائب الہند صفحہ ۱۲۴

میں ایک دن سنجان[1] (نجالان) میں زید بن محمد کے پاس تھا جو اس وقت وہاں کی مسلمان بستی کا متولی اور ناظم امور (ہنرمن) تھا، ایک شخص کو جس کا نام جوان مرد تھا اور جو زید سے مل گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے رات میں گھیر لیا، اس سے لڑے، اس کو قتل کیا اور اس کا سامان لوٹ لیا۔ اس واقعہ کی خبر جس وقت زید بن محمد کو پہنچی میں اس کے پاس موجود تھا، یہ خبر سن کر کچھ فارسی جو وہاں موجود تھے کہنے لگے: اب تو ہند کے لوگ فارسیوں پر بھی ہاتھ اٹھانے لگے ہیں اور ان پر چھاپے مارتے ہیں، فارسیوں کا حال خراب ہوتا جا رہا ہے۔ زید بن محمد ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: ذرا سنئے یہ کیا کہہ رہے ہیں، یہاں سے ہٹتے ہی یہ لوگ بھول جائیں گے کہ انھوں نے کیا کہا تھا اور یہ باتیں پھر کبھی زبان پر نہ لائیں گے۔ میں نے کہا: جی ہاں میں نے سب باتیں سنیں۔ اس واقعہ کے تقریباً بیس دن بعد میں ایک دن علی الصباح زید کو سلام کرنے اس کے گھر گیا تو میں نے وہاں جوان مرد کے قاتلوں کو دیکھا ان کے ہاتھ کندھوں پر بندھے ہوئے تھے، میں کچھ نہ سمجھا کہ وہ کون ہیں اور آداب کر کے زید کے پاس بیٹھ گیا، لوگ حسب معمول زید کو سلام کرنے آرہے تھے، جب سب جمع ہو گئے تو زید نے کہا: صاحبو، جوان مرد کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا آپ سب اس سے واقف ہیں، میں نے اس کے قاتلوں کو پکڑ لیا ہے۔ آپ میں سے ہر فرد کھڑا ہو کر ان میں سے ایک ایک کو قتل کر دے۔ جس طرح انھوں نے آپ کے بھائی کو قتل کیا ہے، ہمیں جوانمرد کا کچھ سامان اور حساب کے کاغذ بھی ملے ہیں جو آپ میں سے کوئی صاحب اپنی تحویل میں لے لیں اور اس کے گھر والوں کو پہنچا دیں، تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں: یہ کہہ کر اس نے میری طرف دیکھا گویا اپنے پچھلے ریمارک کو یاد دلا رہا ہو، سب خاموش بیٹھے رہے، نہ کوئی اٹھا اور نہ کسی نے کچھ کہا۔ یہ دیکھ کر زید بن محمد بولا: صاحبو، آپ کا یہ رویہ بڑا نامناسب ہے، مجھے کانٹوں میں گھسیٹ کر خود الگ ہو جاتے ہیں، جمع ہو کر چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور جب حق مل جاتا ہے تو آپ میں سے ہر ایک اپنا راستہ لیتا ہے،

---

[1] بمبئی سے قریب، نوے میل شمال میں۔

آپ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ واللہ المستعان۔ اس کے بعد زید حاکم شہر کے محل کو گیا اور اس سے اس شخص کو مانگا جس نے جوانمرد کو قتل کیا تھا، حاکم نے سب ڈاکوؤں کو قتل کرا دیا اور عبرت کے لئے ان کی لاشیں ساحل سمندر پر لٹکا دیں۔

ہندوستان کا کاغذ اور رسم الخط

بیرونی[1] (گیارہویں صدی کا ربع ثانی) :

پرانے زمانے کے یونانیوں کے برخلاف ہندو چمڑے پر لکھنے کے عادی نہیں ہیں، جب سُقراط سے کسی نے پوچھا کہ تم کتابیں کیوں نہیں لکھتے تو اس نے جواب دیا: مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ زندہ دلوں کا علم مردہ بکری کی کھال پر منتقل کروں۔ یونانیوں کی طرح اوائل اسلام میں مسلمان بھی چمڑے پر لکھا کرتے تھے، چنانچہ (عرب مسلمانوں سے) خیبر کے یہودیوں کا معاہدہ چمڑے پر تحریر ہوا تھا اور رسول اللہ نے کسریٰ کو جو خط لکھا تھا وہ بھی چمڑے ہی پر قلمبند کیا گیا تھا۔ اسی طرح ابتدائے اسلام میں قرآن کے نسخے ہرن کی کھال پر لکھے جاتے تھے اور توراۃ کی کتابت بھی چمڑے پر ہوتی تھی۔ قرآن میں ہے وتجعلونه قراطیس۔ یہودی توراۃ کو قرطاس بناتے ہیں یعنی کاغذ پر لکھتے ہیں۔ قرطاس مصر میں بَردی پودے کے گودے سے بنایا جاتا تھا، کچھ عرصہ پہلے تک عرب خلفاء کے خطوط اور فرمان قرطاس ہی پر صادر ہوتے تھے، قرطاس پر لکھے ہوئے لفظ کو بدلا یا مٹایا نہیں جا سکتا، اگر ایسا کیا جائے تو کاغذ خراب ہو جاتا ہے۔

کاغذ چینیوں کی ایجاد ہے، اسلامی قلمرو میں اس کی صنعت چینی قیدیوں کی معرفت سمرقند میں شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ صنعت دوسرے اسلامی شہروں میں بھی پہنچ گئی اور اس طرح ایک بڑی کمی پوری ہو گئی۔

---

[1] کتاب الہند صفحہ ۸۱

جنوبی ہند کے لوگ تاڑ کے پتوں پر لکھتے ہیں، تاڑ ایک اونچا پھل دار درخت ہے، کھجور اور ناریل کے پیڑ کی طرح، اس درخت کے پھل کھائے جاتے ہیں، تاڑ کے پتے ڈیڑھ فٹ (ایک ذراع) لمبے اور ملی ہوئی تین انگلیوں کے بقدر چوڑے ہوتے ہیں یہ پتے تاڑی (تاری) کہلاتے ہیں اور جنوب کے لوگ ان پر لکھتے ہیں، پتوں کے بیچ میں سوراخ کر دیا جاتا ہے اور ان کو ایک ڈوری میں پرو کر کتاب بنالی جاتی ہے۔

وسطی اور شمالی ہندوستان میں درخت تُوز[1] کی چھال پر لکھائی ہوتی ہے، اس کی ایک قسم سے کمانوں کے خول بھی بنائے جاتے ہیں، اس چھال سے تیار کردہ کاغذ کو بھوج کہتے ہیں۔ اس کے تختے ڈیڑھ فٹ (ایک ذراع) لمبے اور پھیلی ہوئی انگلیوں کے برابر یا اس سے کم چوڑے ہوتے ہیں، ان تختوں کو کسی طریقہ سے مثلاً روغن لگا کر یا صیقل کر کے سخت، اور چکنا کر لیتے ہیں اور پھر اس پر لکھتے ہیں، تُوز کے یہ تختے الگ، الگ ہوتے ہیں اور مسلسل ہندسوں کے ذریعہ ان کی ترتیب درست رکھی جاتی ہے، پوری کتاب، دو تختیوں کے درمیان رکھ کر کپڑے میں لپیٹ دی جاتی ہے اسکو پوتھی (پوتی) کہتے ہیں۔ وسطی اور شمالی ہندوستان میں خط و کتابت نیز ہر قسم کی دوسری تحریروں کے لئے بھی تُوز کی چھال سے تیار کیا ہوا کاغذ استعمال کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے رسم الخط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ (امتدادِ زمانہ سے) فنا ہو گیا تھا اور لوگ اس کو بھول گئے تھے، کوئی اس کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا جس کے نتیجہ میں وہ علم سے بے بہرہ ہو گئے تھے پھر پراشر[2] کے لڑکے بیاس[3] نے خداوندی الہام سے ایک رسم الخط ایجاد کیا جو حروف تہجی کے پچاس حروف پر مشتمل تھا، ان حروف کو اَکشر کہتے ہیں....

یونانیوں کی طرح ہندو بھی بائیں سے دائیں جانب لکھتے ہیں... ہندوؤں کا مشہور رسم الخط سدھ

---

[1] بروزن خُور۔ [2] قدیم ہندوستان کا ایک گیانی - PRASARA -

[3] ویاس مرتب دید و مہابھارت۔

ماترک (سدماترک) ہے، یہ اکثر کشمیر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو تحریر وکتابت کا مرکز ہے۔ بارانسی (بنارس) میں بھی یہی خط استعمال ہوتا ہے۔ کشمیر اور بنارس ہندوؤں کے دو (سب سے بڑے) علمی مرکز ہیں، یہی رسم الخط مدھیہ پردیش میں رائج ہے جو قنوج (کنوج) کے آس پاس کا علاقہ ہے، اس کو آریہ ورت (آرجا فرت) بھی کہتے ہیں۔ مالوہ کی قلمرو میں ناگر نامی خط رائج ہے بصرف صورت میں پہلے سے مختلف ہے۔

سدھ ماترک اور ناگری کے میل سے ایک اور خط نکلا ہے جسے نصف ناگری (اردھ ناگری) کہتے ہیں۔ بھاٹیہ اور سندھ کے بعض حصوں میں یہ خط رائج ہے۔ سندھ کے جنوب میں ساحل کی طرف ملقشو علاقہ میں ملقاری رسم الخط استعمال ہوتا ہے، بمنھوا یا منصورہ (سندھ) کی سرزمین میں سیندب خط رائج ہے۔ کرناٹ دیش جہاں کے باشندے فوج میں کنرڑ (کنترہ) ارجنبٹ کے نام سے مشہور رہے کنرتی (کرناٹ) خط چلتا ہے، آندھرا (انتر دیش) میں اندھری (انتری) ڈراوڑ دیش (دِراوِڑ دیش) میں ڈراوڑی (دروری) گجرات (لار دیش) میں لاری اور بنگال آسام (پورب دیش) میں گوری خط رائج ہے۔ پورب کے اودے پور (اودنپور) علاقہ کا رسم الخط بھیکشک (بیکشک) ہے۔ بدھ مذہب کے پیرو اسی خط میں لکھتے ہیں۔